السنۃ والحدیث

عزیز زبیدی

اللہ اور اس کا رسولؐ اور آپ کا برا چاہیں، غلط سمجھے ہو

۱۔ یقول محمد بن قیس سمعت عائشۃ تقول الا احدثکم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعنی قلنا بلی قالت لما کانت لیلتی انقلب فوضع نعلیہ عند رجلیہ ووضع رداءہ وبسط ازارہ علی فراشہ ولم یلبث الا ریثما ظن انی قد رقدت ثم انتعل رویدا واخذ رداءہ رویدا ثم فتح الباب رویدا وخرج واجافہ رویدا وجعلت درعی فی راسی فاختمرت وتقنعت ازاری وانطلقت فی اثرہ حتی جاء البقیع فرفع یدیہ ثلث مرات واطال القیام ثم انحرف وانحرفت واسرع فاسرعت فھرول فھرولت فاحضر فاحضرت وسبقتہ فدخلت ولیس الا ان اضطجعت فدخل فقال ما لک یا عائشۃ رابیۃ، قال سلیمان حسبتہ قال حشیا قال لتخبرنی او لیخبرنی اللطیف الخبیر، قلت یا رسول اللہ بابی انت وامی فاخبرتہ الخبر قال انت السواد الذی رایت امامی فلھزنی فی صدری لھزۃ اوجعتنی قال: اظننت ان یحیف اللہ علیک ورسولہ الحدیث (رواہ النسائی باب الغیرۃ ص ۹۶/۲)

خدا کا رسولؐ اور اس پر ظلم؟ اف۔ محمد بن قیس فرماتے ہیں، میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ کہتے سنا کہ کیا میں تمہیں اپنا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک واقعہ سناؤں؟ ہم نے کہا ہاں! (پھر بتایا کہ) میری باری کی ایک رات حضورؐ (عشاء کی نماز سے) واپس تشریف لائے، پھر اپنے دونوں جوتے اپنے دونوں پاؤں کے پاس رکھے اور اپنے بستر پر چادر بچھا کر اتنی دیر رکے کہ ان کو اندازہ ہو گیا کہ میں سو گئی ہوں۔ پھر آہستہ سے جوتا پہنا آہستہ سے چادر لی، آہستہ سے دروازہ کھول کر نکلے اور آہستہ سے اسے بند کیا، دوپٹے سے منہ ڈھانپا اور اپنی چادر اوڑھ کر میں بھی آپ کے پیچھے ہو لی یہاں تک کہ آپ جنت البقیع میں پہنچ گئے اور (دعا کے لیے) تین بار ہاتھ اٹھائے اور کافی دیر (دعا کے لیے) قیام فرمایا، پھر واپس ہوئے اور میں بھی واپس ہو گئی، وہ جلدی جلدی چلے، میں بھی جلدی جلدی چلی، وہ اور تیز ہو گئے میں بھی اور تیز ہو گئی، اور آپ سے پہلے گھر میں داخل ہو کر لیٹ گئی، پھر آپ بھی آ گئے اور کہا، اے عائشہ! سانس کیوں پھول رہا ہے، خود ہی بتا دو، ورنہ اللہ تو مجھے

بتا ہی دے گا، میں نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول، فداک ابی و امی، پھر میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ آپؐ نے (سن کر) فرمایا: ہاں ہاں رات کالی کالی چیز سامنے جاتی ہوئی دکھائی دیتی تھی وہ تمہیں تھیں؟ پھر آپ نے میری چھاتی پر مکا مارا جس سے مجھے درد بھی ہوا (اور) فرمایا:

کیا تو نے یہ گمان کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ تجھ پر ظلم کریں گے؟ (ایں خیال است و محال است و جنوں!)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باری باری اپنی بیویوں کے ہاں قیام کیا کرتے تھے، جس دن جس کی باری ہوتی، اس رات ان کے ہاں ہی قیام فرماتے، جس رات حضرت صدیقہؓ کے ہاں قیام فرمایا، اس رات کو جو واقعہ پیش آیا، حضرت عائشہؓ نے اپنے شاگرد (طلبہ) کو وہ سنایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو اپنے کپڑے اور جوتے خاص حساب سے رکھے، کیونکہ خاص پروگرام ملحوظ تھا، جب اندازہ ہو گیا کہ صدیقہ گہری نیند سو گئی ہے، آہستہ سے اٹھ کر بقیع کے معروف قبرستان میں تشریف لے گئے، وہاں دیر تک اللہ کے حضور گڑگڑا کر اس دیار کے باسیوں کے لیے دعائیں کیں، جب آپؐ فارغ ہو کر واپس آئے تو صدیقہؓ بھی واپس آ گئیں مگر دوڑ دوڑ کر سانس پھول رہا تھا، پوچھا تو سب کچھ بتا دیا، اس پر آپؐ نے فرمایا! اے بھولی! تو نے یہ خیال کیا کہ تجھ سے ہم بے انصافی کریں گے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ: پیغمبرِ خدا جو بھی احکام بتاتے ہیں وہ صرف خلقِ خدا کے لیے نہیں بتاتے کہ وہی کریں بلکہ خود بھی اس کی شدت سے پابندی کرتے ہیں۔ یہاں احکام کے سلسلے میں "من و تو" کا امتیاز بالکل محال ہے، کیونکہ احکام الٰہی کی تعمیل عبادت کہلاتی ہے جو اللہ کا پیغمبر ہوتا ہے، وہ سب سے زیادہ اللہ کا فرمانبردار، عبادت گزار اور وفادار ہوتا ہے، خاص کر ان کا یہ پہلو کہ: اس سے یہ توقع بھی کی جا سکے کہ، وہ بندگانِ خدا کا استحصال کریں گے، ان کا برا چاہیں گے یا اپنا مفاد سامنے رکھیں گے حد درجہ کی بدگمانی بھی ہے اور رسول ناقہمی کی بات بھی۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ!

دنیا میں جتنے دساتیر، قوانین اور زندگی کے لیے خاص طرزِ حیات، تعامل اور نظام تشخص کیے گئے ہیں یا کیے جا رہے ہیں، ان سب میں کوتاہ فہمی کا بھی امکان رہتا ہے اور خود غرضی کا بھی بلکہ واقعہ ہے کہ ایسا ہو رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات ہی اور ہے، وہاں کوتاہ فہمی، بے تدبیری اور خود غرضی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ غور فرمائیں کہ: اگر آپ سے وہ پاکیزہ زندگی کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس سے خدا اور اس کے رسولؐ کو ذاتی حیثیت

میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، اگر آپ سے کہتے ہیں کہ خدا کے حضور نیاز مندی سے پیش آؤ، تو خدا یا اس کے رسولؐ کا اس کے بغیر کیا اٹکا ہوا ہے۔ آپ سے اگر وہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ: آپ ابنائے جنس اور خلقِ خدا کے ساتھ فراخدلانہ معاملہ کیا کریں یا اس کی خوشنودی کے لیے بندگانِ خدا کی مدد کیا کریں تو آخر اس میں خدا اور اس کے رسولؐ کے لیے کیا رکھا ہے؟ اسی طرح خدا سے وہ کون سی بات ہے جو پوشیدہ رہ جاتی ہے کہ اس کے پیش کردہ نظام اور احکام میں کسی قسم کی کمی، جھول یا کسر رہ جائے گی اور دنیا کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ جہاں خدا کے حضور نذرانہ پیش کرنے یا دینے کی جو بات ہے، وہ بھی دراصل خدا سے لینے کی ہی ایک سبیل ہے ورنہ ہمارا خدا ہمارے چند سجدوں تسبیح و تقدیس کے زبانی زمزموں اور خیرات کے چند ٹکوں کے انتظار میں نہیں ہے۔ نہ ہی اس کے بغیر اس کا کوئی کام رکا پڑا ہے بلکہ وہ ان سب سے بے نیاز ہے ؎

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست — محمدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفرینِ مصطفیٰ بس — محمدؐ حامدِ حمدِ خدا بس

جو لوگ اپنے دور کے قائدین کی طرح پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی تصور کرتے ہیں، وہ اصل میں بہت بڑی زیادتی کرتے ہیں، یہ لوگ تو عموماً کھوٹے سکے ہیں جو بخت و اتفاق کی بات ہے کہ رائج ہو گئے ہیں، ورنہ یقین کیجیے! یہ ردی ہیں، ان کے بدلے میں مٹھی بھر مٹی بھی نہیں مل سکتی یہ تو زنجیریں ہیں، اکسیریں اور قوم کے لیے خوش آئند تقدیریں نہیں ہیں۔

پیغمبرِ خدا کا معاملہ ان سب سے جدا ہے اور بالکل جدا، چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک: امت سوتی ہے پیغمبر جاگتا ہے، امتی عموماً مسکراتے ہیں، پیغمبر رات کو اٹھ اٹھ کر خدا کے حضور گڑگڑاتے ہیں، لوگ عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہیں، پیغمبر کے چولہے میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلتی، یہاں انواع و اقسام کے ملبوسات کی ریل پیل رہتی ہے وہاں تن ڈھکنے کے لیے کرتے میں پیوند لگائے جاتے ہیں، یہاں کھا کھا کر ہیضے ہو ہو جاتے ہیں، وہاں پیٹ پر دو دو پتھر باندھ کر کمر کو سیدھا رکھنا پڑتا ہے۔ بہرحال اللہ اور اس کے رسول جو دیتے ہیں، ہمیں دیتے ہیں، ہماری خاطر اور ہمارے لیے دیتے ہیں اور صرف دینے کے لیے دیتے ہیں۔ ان کا لینا بھی صد بار دینے کے لیے ہی کی ایک تدبیر ہوتی ہے آپ نے خدا اور رسول سے ہٹ کر صدیاں گزار دی ہیں، مگر خلقِ خدا جہاں تھی وہاں رہی، اب کم از کم دس سال تو خدا اور اس کے رسول کے پاس رہ کر دیکھ لیجیے! اگر آپ کی بگڑی پھر بھی نہ بنے تو پھر خاکم بدہن انہیں چھوڑ دیجیے! جدھر چاہے رُخ کر لیجیے! لیکن دُور دُور رہ کر ناحق

اور بلا جواز خدا اور اس کے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف بدگمانیوں کے چکر نہ چلائیے۔

۲۔ عن المسور بن مخرمة ومروان يصدق كل واحد منهما صاحبه (في حديث طويل) فبينما هو يكلمه إذ جاء سهيل بن عمرو (وفي رواية) أنه لما جاء سهيل بن عمرو قال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لقد سهل لكم من أمركم، قال معمر قال الزهري في حديثه فجاء سهيل بن عمرو فقال هات اكتب بيننا وبينكم كتابا فدعا النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الكاتب فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اكتب بسم الله الرحمن الرحيم، قال سهيل أما الرحمن فوالله ما أدري ما هو؟ ولكن اكتب باسمك اللهم كما كنت تكتب فقال المسلمون والله لا نكتبها إلا بسم الله الرحمن الرحيم فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اكتب باسمك اللهم، ثم قال، هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله، فقال سهيل: والله لو كنا نعلم أنك رسول الله ما صددناك عن البيت ولا قاتلناك ولكن اكتب محمد بن عبد الله فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: والله إني لرسول الله وإن كذبتموني اكتب محمد بن عبد الله ...... فقال له النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على أن تخلوا بيننا وبين البيت فنطوف به، فقال سهيل والله لا تتحدث العرب أنا أخذنا ضغطة ولكن ذلك من العام المقبل فكتب فقال سهيل وعلى أنه لا يأتيك منا رجل وإن كان على دينك إلا رددته، إلينا قال المسلمون: سبحان الله كيف يرد إلى المشركين وقد جاء مسلما (وفي رواية أن من جاء منكم لم نرده عليكم. مسلم عن انس) فبينما هم كذلك إذ دخل أبو جندل بن سهيل بن عمرو يرسف في قيوده وقد خرج من أسفل مكة حتى رمى بنفسه بين أظهر المسلمين، فقال سهيل: هذا يا محمد أول ما أقاضيك عليه أن ترده إلي فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إنا لم نقض الكتاب بعد قال فوالله إذا لم أصالحك على شيء أبدا...... قال أبو جندل: يا معشر المسلمين أرد إلى المشركين وقد جئت مسلما ألا ترون ما قد لقيت وكان قد عذب عذابا شديدا في الله.....

فقال عمر بن الخطاب فأتيت نبي الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقلت ألست نبي الله حقا، قال بلى، قلت ألسنا على الحق وعدونا على الباطل قال بلى قلت فلم نعطي الدنية في ديننا إذا؟ قال إني رسول الله ولست أعصيه وهو ناصري قلت أوليس كنت

تحدثنا أنا سنأتي البيت فنطوف به؟ قال: بلى، فأخبرتك أنا نأتيه العام؟ قال: قلت: لا، قال: فإنك آتيه ومطوف به .... فلما فرغ من قضية الكتاب قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لأصحابه: قوموا فانحروا ثم احلقوا، قال: فوالله ما قام منهم رجل حتى قال ذلك ثلث مرات ...... فخرج فلم يكلم أحدا منهم كلمة حتى فعل ذلك نحر بدنه ودعا حالقه فحلقه فلما رأوا ذلك قاموا فنحروا وجعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما.

ثم رجع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إلى المدينة فجاءه أبو بصير رجل من قريش وهو مسلم فأرسلوا في طلبه رجلين فقالوا العهد الذي جعلت لنا فدفعه إلى الرجلين فخرجا به ....

فجعل لا يخرج من قريش رجل قد أسلم إلا لحق بأبي بصير حتى اجتمعت منهم عصابة فوالله ما يسمعون بعير خرجت لقريش إلى الشام إلا اعترضوا لها فقتلوهم وأخذوا أموالهم فأرسلت قريش إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم تناشده بالله والرحم لما أرسل فمن أتاه فهو آمن (بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة الخ ص ۳۷۸ ج ۱ ومسلم ص ۱۰۴، ۳۵ ج ۲ ملخصاً وملتقطاً)

حضرت مسورؓ اور مروان سے روایت ہے کہ وہ ایک دوسرے کی بات کی تصدیق بھی کرتے ہیں، (یہ ایک لمبی حدیث ہے) .... وہ (مکرز) آپؐ سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ سہیل بن عمرو (سفیر قریش مکہ) آیا اور ایک اور روایت میں ہے کہ سہیل بن عمرو آیا تو اس نے (رسولِ خدا) سے کہا لائیے! اپنے اور تمہارے درمیان میں عہدنامہ لکھوں، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (اپنے) کاتب (حضرت علیؓ) کو بلایا، پھر فرمایا: لکھیے! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، (یہ سن کر) سہیل بولا: خدا کی قسم میں تو نہیں جانتا رحمٰن کیا شے ہے؟ البتہ باسمک اللّٰھم لکھیے! جیسا کہ پہلے آپ لکھتے آ رہے ہیں، اس پر مسلمان بولے: بخدا ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھیں گے، تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ باسمک اللّٰھم (الٰہی! تیرے ہی نام سے شروع کرتے ہیں) ہی لکھیے! پھر حضورؐ بولے: یہ وہ عہدنامہ ہے جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے طے کیا، سہیلؓ پھر بولا: اگر ہم آپ کو رسول اللہ سمجھتے (تو) بیت اللہ سے آپ کو روکتے اور نہ آپ سے لڑائیاں لڑتے، بلکہ آپ محمد بن عبد اللہ (عبد اللہ کے بیٹے محمد) لکھیے! اس پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں اللہ

کا سچا رسول ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاتے ہو (پھر حکم کیا کہ) محمد بن عبداللہ (ہی) لکھیے! ...... پھر اس (سہیل) سے فرمایا: کہ تم ہمیں بیت اللہ (خانہ کعبہ) کا راستہ دے دوگے کہ ہم طواف کریں، سہیل (حسب معمول) پھر بڑبڑایا: بخدا! (یہ نہیں ہوگا) عرب میں شور مچ جائے گا کہ ہم دب گئے، ہاں یہ آئندہ سال ہو سکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی لکھ لیا، پھر سہیل بولا: ہماری طرف سے (یہ شرط بھی ہے کہ) آپ کے پاس ہمارا جو بھی آدمی آپ کا ہی کلمہ پڑھ کر آئے گا آپ کو اسے ہمارے پاس واپس لوٹانا ہوگا، مسلمان بول اٹھے: سبحان اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور اسے مشرکوں کے پاس واپس کر دیا جائے (ایک اور روایت میں ہے کہ: آپ کا کوئی شخص اگر آگیا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ مسلم) یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے حضرت ابوجندل (قریش مکہ کے سفیر سہیل بن عمرو کے بیٹے) آگئے اور وہ مکہ کی نچلی جانب سے نکل آئے تھے۔ (کفار مکہ کو اس کا پتہ ہی نہ چلا) اور آکر مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو لا کر پھینک دیا، اس پر سہیل سیخ پا ہو کر بولا، اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معاہدہ کی) یہ وہ پہلی شرط ہے جس پر میں (ابھی) آپ سے عمل درآمد چاہتا ہوں کہ آپ اسے (ابھی ہی) مجھے واپس کریں! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ہم نے معاہدہ طے نہیں کیا (ابھی تو وہ لکھا جا رہا ہے) اس پر سہیل بولا تو پھر بخدا ہم کوئی معاہدہ نہیں کرتے ...... (یہ صورت حال دیکھ کر حضرت) ابوجندل پکار اٹھے: مسلمانو! سوچیے! میں مسلمان ہو کر (تمہارے پاس) آیا ہوں (دیکھیے!) مجھے (اب) مشرکوں کے حوالے کیا جا رہا ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے (راوی کا بیان ہے کہ) اللہ کی راہ میں انہیں سخت عذاب دیئے گئے تھے (اس پر مسلمان بے قابو ہو گئے چنانچہ حضرت) عمر بن الخطاب فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا کہ کیا ہم (مسلمان) حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ فرمایا: بالکل! میں نے عرض کی: تو پھر اپنے دین کے سلسلے میں ہم یہ ذلیل شرط کیوں قبول کرنے لگے ہیں؟

حضورؐ نے جواب دیا: میں اللہ کا رسول ہوں، میں اپنی مرضی نہیں کر سکتا (باقی رہا انجام، سو یقین کیجیے!) وہ (ضرور) میری مدد کرے گا۔

(حضرت عمرؓ کہتے ہیں) میں نے (پھر) عرض کی: کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا: کیا میں نے آپ سے یہ بھی کہا تھا

کہ ہم اسی سال ہی پہنچیں گے ؟ میں نے کہا نہیں! (اس پر) آپؐ نے فرمایا ؛ یقین رکھیے! آپ بہرحال پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔

.... جب معاہدہ کر کے آپؐ فارغ ہو گئے تو آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا، اٹھیے! قربانی دیجیے اور سر منڈائیے (کیونکہ عمرہ کی نیت سے گئے تھے، قربانیاں ہمراہ تھیں) راوی کہتا ہے کہ بخدا! ہم میں سے ایک شخص بھی نہ اٹھا (کیونکہ بظاہر دب کر فیصلہ قبول کرنے سے وہ سخت بدحواس ہو رہے تھے، بہرحال حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ کے مطابق) آپؐ باہر نکلے، کسی سے بھی بات نہ کی اور جا کر اپنی قربانی دی، سر مونڈنے والے کو بلا کر سر منڈایا، جب (شمع رسالت کے پروانے) صحابہؓ نے دیکھا تو سب اٹھ کھڑے ہوئے، قربانی دی اور سر منڈانے کے لیے اتنا ہجوم ہو گیا کہ ایک دوسرے کے شہید ہو جانے کا اندیشہ ہونے لگا۔

.... پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے تو قریش کا ایک اور جوان ابوبصیر مسلمان ہو کر آگیا، جس کے پیچھے پیچھے انھوں نے یہ کہہ کر اپنے دو آدمی بھیج دیے کہ اپنا وہ عہد یاد کیجیے! جو آپ نے ہم سے کیا تھا، چنانچہ آپؐ نے اسے بھی ان کے حوالے کر دیا اور وہ دونوں ان کو لے کر نکل گئے۔

.... پھر یوں ہوا کہ جو بھی قریشی جوان مسلمان ہوتا وہ (مدینہ کے بجائے) سیدھا حضرت ابوبصیر سے جا ملتا (جو جان بچا کر بمقام سیف البحر رہ رہے تھے) یہاں تک کہ وہ ایک جتھا بن گیا، پھر تو یہ حال ہو گیا کہ) جب وہ سنتے کہ قریشِ مکہ کا قافلہ شام کو چلا ہے تو اس کو روک کر، ان کو قتل کر کے لوٹ لیتے (آخر تنگ آکر) قریش نے حضورؐ کو اپنا پیغام بھیجا اور خدا اور قرابت کا واسطہ دے کر آپؐ سے درخواست کی کہ آپ ان کو بلا لیں (ہم عہد کرتے ہیں کہ) اب جو بھی آپ کے پاس آئے اسے چھٹی ہے۔ (بخاری۔ مسلم۔ مختصراً)

یہ ایک نہایت طویل روایت ہے، مگر انتہائی بصیرت افروز، خاص کر ان لوگوں کے لیے ایک روشن مشعلِ راہ ہے جو دینِ حق کے معاملے میں پہلے اطمینان حاصل کر لینا ضروری سمجھتے ہیں، آپ غور فرمائیں! کہ بظاہر اس معاہدہ کی کون سی شق اور شرط تھی جو مسلمانوں کے لیے باوقار تھی ؟ یا یوں کہیے کہ معاہدہ کا کونسا لفظ ایسا تھا جسے مسلمانوں نے بظاہر دب کر قبول نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا دوسرا اور ایک صحابی بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو اس معاہدہ کو سن کر حواس نہ کھو بیٹھا ہو۔ اور روایت کے ان الفاظ کا دَ یَقْتُلُ بَعْضُاً غَمّاً سے

بعض ائمہ نے یہ اخذ کیا ہے کہ غم کے مارے صحابہ کے اوسان یوں خطا ہو رہے تھے کہ اندیشہ تھا وہ ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہوئے ایک دوسرے کا گلا نہ کاٹ ڈالیں ـــــ واقعہ یہی ہے کہ: معاہد میں جو جو ہوا، بظاہر اس میں اطمینان کی کوئی بات نہیں تھی، مگر اسلام کا یہ اصرار ہے کہ تم بہرحال مطمئن رہا کرو، اور احکام دین کی تعمیل کے نتائج کے تم ذمہ دار نہیں ہو، ان کی ڈوری اللہ کے حوالے کر کے چل پڑا کرو، یقین کیجیے اللہ تمہیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ (لن یضیعنی، ابن ہشام)

جسے عام نگاہیں ایک کمزوری اور ذلت قرار دے رہی تھیں، اسے پیغمبر "وجہ طمانیت" قرار دے رہے تھے (وھو ناصری بخاری) اور جب تین دن کے بعد حدیبیہ سے واپس پلٹے تو راہ میں آیت اتری إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (سورۃ فتح) ہم نے تجھے کھلی ہوئی فتح عطا کی: ـــــ غور کیجیے! جسے دنیا "دب کر" اور ذلت کا معاہدہ تصور کر رہی تھی، اسے پیغمبر خدا "نصرت الٰہی" کی ایک سبیل قرار دے رہے ہیں اور قرآن اس کا "فتح مبین" کے لفظوں میں اعلان کر رہا ہے اور حدیبیہ کو اسے ایک ایسی "فتح و نصرت" سے تعبیر فرمایا ہے جس کے ذریعے اگلی پچھلی ساری حسرتیں پوری ہو جائیں گی اور اب تک جو جو کمی رہ گئی تھی اس کی بھی کسر نکل جائے گی، اور یہ معاہدہ ایسی "ڈھال" اور خود ثابت ہو گا جس کے بعد دشمن کا کوئی تیر اور کوئی تدبیر نبوی مشن کی تکمیل کی راہ میں حائل نہیں ہو سکے گی ـــــ راستہ میں جو آیات نازل ہوئیں، ان کو اس پس منظر میں جب آپ پڑھیں گے تو انشاءاللہ تعالیٰ آپ محسوس کریں گے کہ یہ معاہدہ دب کر نہیں، پوری حکمت عملی اور وقت نظری کے ساتھ قبول کیا گیا تھا۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا (پ ۲۶ - الفتح ع ۱)

(اے پیغمبر! یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی) حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرا دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان لغزشوں کی تلافی کرے جو پہلے یا بعد میں صادر ہوئیں، اور آپ پر اپنی نعمت کا اتمام کرے اور آپ کو صراط مستقیم پر لے چلے اور یہ کہ اللہ آپ کی مؤثر نصرت فرمائے

وہ ذات جس نے مسلمانوں کے دلوں میں "طمانیت" نازل فرمائی تاکہ ایمان کے ساتھ اور ایمان زیادہ ہو، اور آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کے لشکر ہیں اور اللہ ہمیشہ سے علیم و حکیم ہے، تاکہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو اس جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس میں وہ سدا رہیں گے اور یہ کہ ان پر سے ان کی کوتاہیوں کا بوجھ اتار دے اور اللہ کے نزدیک یہ "عظیم فتح" ہے۔"

غور کیجیے! صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں جیسی کچھ دفعات طے پائی تھیں، اگر ان کو سامنے رکھا جائے تو العیاذ باللہ خاکم بدہن خدا اور اس کے رسولؐ کی باتیں بظاہر ایک مذاق محسوس ہوں گی کیونکہ جو لوگ وحی الٰہی کی رہنمائی کے مقابلے میں اپنے اطمینان کی بات کرتے ہیں یا احکام الٰہی کی تعمیل کے نتائج کی پہلے ضمانت چاہتے ہیں وہ تو یہی کہیں گے کہ چت گر جانے کے باوجود ہمیں یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ: گو نیچے آگئے ہیں تاہم ہماری ٹانگ تو اوپر ہے۔ لیکن خدا اور اس کے رسولؐ نے جو بات کہی، بعد میں حالات نے ثابت کر دیا کہ ہمارے وسواس جھوٹے، ہماری فکر کوتاہ ہمارے اندیشے سطحی اور ہماری بے چینیاں ہماری بے خبری کا نتیجہ تھیں، رسولؐ کی طمانیت، یقین محکم بصیرت، خدا پر کامل اعتماد کا حاصل تھی اور جو بات خدا کے قرآن نے بتائی وہ کسی مجذوب کی بڑ نہیں تھی، بلکہ حکیم مطلق، بینا اور قدیر خدا کا فیصلہ تھا اور اٹل فیصلہ تھا جو بالآخر پورا ہو کر رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ بندوں سے خدا جو مطالبہ کرتا ہے اس سے اس کی اپنی کوئی غرض وابستہ نہیں ہوتی نہ خدا کے رسولؐ کے سامنے اپنی امت کو اندھیرے میں لے جا کر ٹھنی دینے والی بات ہوتی ہے بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ یہ باغ جہاں سدا آباد رہے اور بندگانِ خدا بھی خوش و خرم اور شاد رہیں، بہرحال ہر کام کے کرنے اور ہر مقصد کے حاصل کرنے کے لیے تنہا چاہنا اور چاہت کافی نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ایک سلیقہ، ایک طریق کار اور ایک اصول ہوتا ہے مگر یار دوستوں کا اصرار ہوتا ہے کہ اصولوں کی بات بھاڑ میں جائے، خدا کو ہماری خواہش کی بات کرنی چاہیے، یعنی ادھر ہم چاہیں اور ادھر ہو جائے۔ اگر اس راستہ میں طریق کار اور سلیقہ کی دہائی ہوتی ہے تو چلا اٹھتے ہیں اور پھر واویلا شروع کر دیتے ہیں کہ، دیکھو جی! آخر وہی ہوا، بات نہ ہی بنی، ہم نے تو پھر ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہ کام یوں نہیں ہو گا یوں ہونا چاہیے۔

اسلام نے "مسلم اور بندۂ مومن" کے لیے جو طریق کار تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ: آپ اپنی توجہ منقسم نہ کریں، ہم جو کہتے ہیں آپ اس کی تعمیل کریں اور نتائج کی ذمہ داری ہم پر چھوڑ دیں

اور اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ پوری طمانیت اور اعتماد کے ساتھ احکامِ الٰہی کا اتباع کریں اور ایک غلام کی طرح سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر کریں۔ انشاء اللہ آپ بہتر رہیں گے۔ خدا آپ کا برا چاہتا ہے نہ اس کا رسولؐ۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا

(پ۵۔ النساء ع۱)

"اگر تم لوگ (خدا کے) شکر گزار رہو اور (اس پر) ایمان رکھو (اور اعتماد کرو) تو خدا کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔"

اوپر کی آیت میں "یغفر" اور "ذنب" تشریح طلب ہیں، علامہ راغب فرماتے ہیں "الغفر" کے معنی کسی ایسی شے کے پہنا دینے کے ہیں جو اسے میل کچیل سے محفوظ رکھے (مفردات) گویا کہ صلح حدیبیہ کا یہ معاہدہ ایک ایسی ڈھال تصور کیا گیا جس کے بعد کسی ناکامی کے میل کچیل میں ملوث ہونے کا امکان نہ رہا، یہاں پر "ما تقدم" فرما کر یہ بھی تلمیح کر دی کہ یہ معاہدہ صرف آئندہ کے لیے ضمانت نہیں، ماضی کے سارے دھونے بھی دھو دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا، پہلے کوئی خاطر میں نہیں لاتا تھا، اب واپسی پر دنیا کے عظیم تاجداروں اور حکومتوں کو نہ صرف دعوت نامے بھیجے بلکہ ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ:

اَسْلِمْ تَسْلَمْ (بخاری) مسلمان ہو جائیے بچ جائیے گا۔

ذنب سے مراد وہ کام ہیں، جن کا انجام اچھا نہ رہے (مفردات) معصوم کے سلسلے میں اس کا استعمال مجازاً ہوتا ہے۔

وقولھم للصبی "اذنب" مجاز (کتاب الفروق لابی ہلال العسکری)

اس لیے حضورؐ کے سلسلے میں بھی اس کا استعمال بطور مجاز ہوا ہے، یعنی وہ امور جن میں غیر ارادی لغزشوں کی وجہ سے ناکامی ہوئی، مطلوب نتائج برآمد نہ ہوئے اور انجام غلط رہا۔ وہ حضورؐ کا "ذنب" کہلائے، کیونکہ بعض جگہ انجام اچھا نہ رہا، اس کا بھگتان آپ کے ساتھ آپ کے رفقاء کو بھی بھگتنا پڑا، اس پر فرمایا، یہ انجام پچھلے تھے یا حالیہ سب کی تلافی کر دی جائے، سابقہ لغزشوں پر غلط اثرات اور نتائج موقوف کر دیے جائیں گے اور آئندہ کے لیے مزید عنایات شاملِ حال کر دی جائیں گی، اسے غفران کہتے ہیں۔

قال العسکری:

ان الغفران یقتضی اسقاط العقاب و نیل الثواب (کتاب الفروق لابی ہلال العسکری)

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ سے فَوْزًا عَظِيْمًا تک غفران کے اسی "نیل الثواب" کا بیان ہے۔ بعد میں بالآخر صحابہؓ پر بھی واضح ہو گیا کہ جو معاہدہ ہوا وہ واقعی بالآخر ہمارے ہی مفاد میں رہا، اس لیے انھیں بھی طمانیت کی چاشنی سے حصہ مل ہی گیا جواز (یا دالیان) کا باعث بنا۔ بہر حال صلح حدیبیہ کے واقعہ نے یہ بات ثابت کر دی کہ خدا اور رسولؐ کسی کا بھی برا نہیں چاہتے، بظاہر جو احکام اوپرے محسوس ہوتے ہیں، حقیقت میں جانِ جہاں ہوتے ہیں، اس لیے مسلم کا کام یہ ہے کہ وہ ان کا اتباع کرے اور صرف اتباع، باقی رہے نتائج؟ سو وہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، نہ ہی اس سلسلے میں پہلے ضمانت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یقین کیجیے! حق تعالیٰ آپ کے اعتماد کو قطعاً ٹھیس نہیں پہنچائے گا۔

غور فرمائیے! اگر صلح کے بجائے بزورِ شمشیر مکہ میں داخل ہونے کی کوشش کی جاتی تو آتش انتقام چین نہ لینے دیتی۔ جن شرائط پر انھوں نے خود اصرار کیا اور ان سے بالآخر تنگ آگر جب خود ہی انھوں نے ہتھیار ڈال دیے تو بات خود بخود امن و آشتی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہاں تک کہ مکہ بالآخر قبضہ میں آگیا اور کسی خون خرابے کے بغیر فتح ہوا، جس کے بعد اسلام عالمِ عرب میں چار دانگ پھیل گیا اور خدا اور اس کے رسولؐ کی پیش گوئی اور نوید پوری ہو کر رہی۔ جب بظاہر اس قدر ناسازگار حالات میں احکامِ الٰہی کی تعمیل یہ رنگ لا سکتی ہے تو نارمل حالات میں اس کی برکات اور رحمتوں کا کیا عالم ہو گا، خود ہی اندازہ فرما لیجیے!

دورِ حاضر میں خدا کی بابت آج اسی اعتماد کا فقدان ہے۔ اسلامی فرامین کی حقانیت صداقت اور ضرورت کا اندازہ کما حقہ ان کو اپنانے اور اختیار کرنے کے بعد ہی ہوتا ہے، جو شے مدارِ کار ہے اس سے علیحدہ ہو کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنا دانشمندانہ بات نہیں ہوتی اس لیے پہلے سچے دل سے "تعمیلِ احکام" کا التزام کیا جائے، پھر ان نتائج کا انتظار کیا جائے تو تعمیلِ احکام سے متوقع ہو سکتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تعامل بھی ان نتائج کے ظہور کے لیے نہیں ہونا چاہیے بلکہ محض رب العلمین کی رضا اور خوشنودی کے لیے چاہیے، کیونکہ طمانیت اور مقامِ شہود کا فیضان، اس کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ یہ دولت جنس بازار کی چیز نہیں ہے کہ بولی دے کر خریدی جا سکے، بلکہ جان اور آرام جان دے کر اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آج کا مسلم روحانی طور پر جتنا بیمار ہے پہلے کبھی نہیں تھا، اسے دنیا کی دوسری ہر قوم کی ادا بھاتی ہے اور وہ تمام اقوامِ عالم کے سیاسی، معاشی، اخلاقی اور تمدنی آداب اور رسومات سے